



Article

A Study of The first journalistic novel in Urdu "Anjam Bakhair"

اردو کا اولین صحافیانہ ناول "انجام بخیر" ایک مطالعہ

Dr. Ansar Sheikh¹

¹ Assistant Professor, Govt. Associate College, Shahpur Sadar, Sargodha

*Correspondence: ansarahmed@uok.edu.pk

¹ ڈاکٹر انصار شیخ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی

Abstract: Mehmood Sham's novel "Anjam Bakhair" is released this year (2023). Mehmood Sham, who is author of several books, has been associated with the field of journalism for almost six decades. This novel of Mehmood Sham is unique in the history of Urdu fiction in the sense that it is first time when the journalistic world is presented in this genre with such a high rate of development. Mehmood Sham has set plot of the novel based on the TV channel "Jugnoo" and three characters Sidra, Khalil and Ahmed Hammad. Through these characters, Mehmood Sham presented the political and social life, journalism of Karachi and its neighborhoods, terrorism, role of mafias and life of a common man. Later, this novel spread out of the journalistic circle of Karachi and spread across the country. Efforts have been made to explain the problems of terrorism, lack of development and social problems in Khyber Pakhtunkhwa, FATA and Balochistan in particular. The novelist has gone one step further and included America, China, Afghanistan and India in the context of Global Village. One cannot avoid involvement of these countries in the political and social relations and economic development and decline of Pakistan. The novelist has adopted a realistic approach in the novel on these issues.

In the article under discussion, we have researched and critically analyzed all these issues.

Keywords: Mehmood Shah, Media, journalism, Novel, Jugnoo, Mafia, Global Village,

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received: 02-09-2023
Accepted: 20-11-2023
Online: 20-12-2023



Copyright: © 2023
by the authors. This is
an open-access article
distributed under the
terms and conditions
of the Creative
Common Attribution
(CC BY) license

اپنے قرب و جوار یا اکنافِ عالم میں پھیلی بکھری رنگارنگ زندگی جو تجربات و مشاہدات سے مزین، دل چسپ واقعات سے لبریز، حقائق سے پُر، سیاسی و سماجی عصر سے مملو ہو اور اسے اگر اردو اصنافِ نثر کی کسی صنف میں پیش کرنا مقصود ہو تو ہم بلا جھجک ”ناول“ کا نام لے سکتے ہیں۔

محمود شام کا ناول ”انجامِ بخیر“ رواں سال (۲۰۲۳ء) ادب کے افق پر طلوع ہوا ہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف محمود شام اس سے قبل بھی ایک ناول ”شبِ بخیر“ (۱) کے عنوان سے لکھ چکے ہیں۔ ”انجامِ بخیر“ کے نام سے سعادت حسن منٹو ایک افسانہ (۲) اور پطرس بخاری ایک ڈراما (۳) سپردِ قسط کر چکے ہیں۔ تاہم محمود شام کا صحافتی دنیا کے تناظر میں وسیع کینوس پر لکھا گیا یہ ناول اس لحاظ سے منفرد اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے قبل کسی نے ناول کی صنف میں اس موضوع پر ”انجامِ بخیر“ کی طرح اتنی تفصیل سے قلم نہیں اٹھایا۔ اگرچہ حسن جاوید کا ناول ”شہر بے مہر“ (۴) صحافیانہ پیرائے میں لکھا گیا ہے، لیکن اس میں بھی ”انجامِ بخیر“ جیسی تفصیلات عطا ہیں۔

تاریخی شہر ’جھنگ‘ سے تعلق رکھنے والے محمود شام جن کا اصل نام محمد طارق محمود ہے۔ ۱۹۶۷ء میں جب کراچی آئے تو پھر وہ یہیں کے ہو رہے۔ گزشتہ تقریباً چھ دہائیوں سے شعبہٴ صحافت سے جڑے ہوئے ہیں۔ ملک کے متعدد نامور ہفت روزہ اور روزناموں سے وابستہ ہونے کے علاوہ خود بھی کئی جرائد کا اجرا کر چکے ہیں۔ آپ کا یہ بھی کمال رہا کہ جن اخبارات سے وابستہ ہوئے، انھیں عروج سے ہمکنار کیا۔ تمغات، اعزازات اور انعامات سے بے نیازی اور بیزاری کا یہ عالم ہے کہ دو دفعہ صدارتی ایوارڈ لینے سے اس لیے انکار کر چکے ہیں کہ وہ قارئین کی جانب سے حوصلہ افزائی ہی کو اپنے لیے سب بڑا اعزاز سمجھتے ہیں، جس کے بعد پھر کسی سرکاری اعزاز کی حاجت نہیں رہتی۔ (۵)

نوبل انعام یافتہ ولیم فاکنر نے ناول لکھنے کے لیے تین چیزوں کا ذکر کیا تھا؛ یعنی تجربہ، مشاہدہ اور تخیل۔ (۶) ناول کے تناظر میں کہی اس رائے پر تراسی سالہ (۸۳) محمود شام من و عن پورا اترتے ہیں۔ طویل صحافتی زندگی سے وابستگی نے انھیں دنیائے رنگ و بو کی سیاحت کروائی ہے۔ ان تجربات و مشاہدات اور تخیلات کی عکس ریزی جا بجا ناول میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ہم مختصر اُناول کے ماجرے کی طرف آتے ہیں:

”انجامِ بخیر“ میں کہانی کا آغاز شہر کراچی کے علاقے صدر میں گزشتہ دہائیوں میں ہونے والے بم دھماکوں سے ہوتا ہے۔ دہشت گردی اور خوں ریزی کی ایسی ہولناک وارداتوں کی عکاسی عموماً سب سے پہلے برقی ذرائعِ ابلاغ (الیکٹرانک میڈیا) ہی کرتا ہے۔ ناول میں میڈیا کے تین متحرک کرداروں میں احمد حماد، سدرہ اور خلیل شامل ہیں۔ احمد حماد طباعتی ذرائعِ ابلاغ (پرنٹ میڈیا) کے ایک سینئر صحافی، کہنہ مشق

ایڈیٹر اور محقق ہیں۔ نوجوان رپورٹر سدرہ اور خلیل اس ناول کے مرکزی کردار ہیں۔ صحافت کے تمام نشیب و فراز اور پیچ و خم سے آگاہ احمد حماد رپورٹر سدرہ اور خلیل کے لیے میدانِ صحافت اور حیاتِ جاریہ میں شجرِ سایہ دار اور خضرِ راہ ثابت ہوتے ہیں۔ وہ دونوں انھیں اپنا گرو اور رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ دونوں مرکزی کردار ایک نجی چینل ”جگنو“ سے وابستہ ہیں۔ اس چینل کا مالک شیخ عارف ہے۔ دیگر ٹی وی چینلوں کی نسبت جگنو مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔ اس چینل کو شہرت کی ارفع منزلوں سے ہم کنار کرنے میں سدرہ اور خلیل کی شبانہ روز محنت کا زیادہ عمل دخل ہے۔ دونوں ہم کاروں (کولیگ) میں ایک ساتھ خبروں کی کھوج کی بنا پر انسیت کا جو رشتہ قائم ہے، وہ ناول کی کہانی کے ساتھ رفتہ رفتہ فزوں سے فزوں تر ہوتا جاتا ہے۔ کراچی میں بم دھماکے کی رپورٹنگ میں دونوں کی خصوصی کارکردگی، شہرت کے ساتھ انھیں مزید قریب لانے کا موجب بنتی ہے۔ دوسری جانب یہی رپورٹنگ ایک مذہبی جماعت ”لشکر“ کی طرف سے دھمکیوں کا سبب بھی بنتی ہے۔ سدرہ کا ”لشکر“ کے خلاف کھلم کھلا اظہارِ خیال بالآخر خلیل کے اغوا کا سبب بنتا ہے۔ اغوا ہو کر خلیل کو مدرسے کے منتظمین، اُن کے شب و روز، اخلاق و آداب، تعلیم و تربیت، نصابات، لٹریچر، میڈیا سیل، انتظام و انصرام وغیرہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ منتظمین کی منشا سے چینل کے لیے مدرسے کی خاص خاص جگہوں کی تصویر کشی بھی کرائی جاتی ہے۔ خلیل مدرسے میں مقیم اٹھارہ سوطلبہ، اساتذہ کے نظم و نسق اور وہاں کئی غیر ملکی زبانوں کے طریق تدریس سے خاصا متاثر بھی ہوتا ہے۔ دارالعلوم عربیہ کی تعمیری اور مثبت امور کی نشان دہی کے بعد فوٹج سمیت خلیل کو رہا کر دیا جاتا ہے۔

سدرہ سے بھی امریکا اور چینی سفارت کاروں کے رابطے بڑھتے ہیں۔ جگنو چینل کے ساتھ اب سدرہ بھی ملک کی نمبر ون رپورٹر بن چکی ہے۔ یہ مقام اس نے معمول کی خبروں سے ہٹ کر محنتِ شاقہ سے غیر معمولی خبریں تلاش کرنے اور اسے نشر کر کے حاصل کیا ہے۔ قاتلانہ حملہ بھی اس کے معمولات اور فرض کی انجام دہی میں کمی نہ لاسکے۔ سدرہ کی بہترین کارکردگی کے ساتھ ساتھ اُس کے چینل کی بھی روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ لیکن دوسری جانب چینل کے ملازمین زبوں حالی کا شکار ہیں۔ وہ مجبوراً احتجاج کرتے ہیں۔ ملازمین کے جائز مطالبات کے حل کے لیے سدرہ چینل کے افسرانِ بالا سے تواتر سے ملتی رہتی ہے۔ کچھ یقین دہانیاں بھی کرائی جاتی ہیں۔ ملازمین کے مسائل کے حل میں ملک کے نامور ریلی اسٹیٹ ”ملک ایاز“ ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اشتہارات اور دیگر سہولیات سے چینل کے متعلقین کو خوب فیض یاب کراتے ہیں۔ لیکن اس تعاون اور فراخ دلی کی قیمت وہ اپنی من پسند خبروں کو بریک کرنے اور اپنے خلاف منفی خبروں کو روکنے کی صورت میں وصول کرتے ہیں۔ سدرہ اس تمام صورتِ حال سے بخوبی آگاہ ہونے کے باوجود بے بس ہے۔ اپنے گرو احمد حماد سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کرنے پر اس کی کچھ نہ کچھ تشفی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تقسیم کے بعد پاکستان کی سیاسی تاریخ کو سمجھانے میں بھی

احمد حماد و قنفو قنّاس کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ فوجی اور جمہوری حکومتوں سے متعلق سدرہ کے خلفشار اور ذہنی الجھاؤ کو بھی وہی رفع کرتے ہیں۔ احمد حماد ہی کی مشاورت سے سدرہ کراچی کی مافیاؤں اور مخدوش سیاسی صورتِ حال کو بیان کرنے کے بعد بیرونِ شہر کا بھی رُخ کرتی ہے۔ وہ دہشت گردی اور افراتفری کے زمانے میں حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک اسائنمنٹ پر سب سے پہلے فانا جاتی ہے۔ وہاں کے معززین اور عام افراد سے ملاقاتیں کرتی ہے۔ اُسے پتا چلتا ہے کہ ڈرون حملوں کی بہتات سے وہاں کے لوگوں میں امریکیوں کے خلاف بہت غم و غصہ ہے۔ پاکستانی فوج سے بھی وہ نالاں نظر آئے، جن کے کیے گئے فوجی آپریشن سے وہ بے گھر ہو کر کیمپوں میں پناہ گزین ہوئے۔ مقامی متاثرین نے عرب، ازبک، ترکستانی وغیرہ کو اپنے ہاں بطور مہمان پناہ دینے کا بھی سدرہ کے سامنے اقرار کیا۔ تعلیمی درس گاہوں کی شدید قلت پر بھی وہاں کے مقامی شکوہ کنّاں رہے۔ شکوہ شکایت کا ایسا ہی مظاہرہ سدرہ کو بلوچستان میں دیکھنے کو ملا، جب وہ فانا کے کامیاب دورے کے بعد وہاں پہنچی تھی۔ بلوچستان کے ”گجلی ہاؤس“ میں سدرہ کو پانی کے مسائل، تعلیمی معاملات، انفراسٹرکچر کی خرابی، بے امنی، لاپتا افراد، غداری کے الزامات اور ضروریاتِ زندگی کی اشیاء کے فقدان کے بارے میں مفصل بتایا گیا۔ اس دورے کی مثبت باتوں میں اب بلوچستان کے لوگوں کا پہلے کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ باشعور ہونا بھی تھا۔ وہ لوگ اب سولر سسٹم کے استعمال، مویشی بانی، سبزیوں کی کاشت، پھل دار درختوں کے باغات، کتب خانوں کا قیام، کتب بینی، شرح خواندگی میں اضافہ، ووکیشنل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا قیام، نوجوانوں کا بیرون ملک ملازمت وغیرہ پر خصوصی توجہ صرف کر رہے تھے۔ سب سے اہم بات بلوچستان میں بھارت کی مسلسل رخنہ اندازی اور دراندازی کی حقیقت کا بلوچ قوم پر آشکار ہونا تھا، جس کے بعد وہ بھارتیوں کے آلہ کار بننے سے گریزاں ہو گئے۔ بلوچستان میں اختلاف رائے پیدا کرنے کی تمام مذموم بھارتی کوششیں اب دم توڑ گئی ہیں۔ سدرہ اپنے چینل کے لیے فانا کی طرح بلوچستان کا بھی ایک بھرپور پیکیج تیار کر کے کراچی لوٹی ہے۔ سدرہ کے فانا اور بلوچستان کے دورے سے قبل احمد حماد بیرون ملک چین کا دورہ کرتے ہیں۔ ان کا تحقیقی موضوع: ”ایک پٹی، ایک سڑک، ایک دل، ایک ذہن“ جو سی پیک سے متعلق ہے، چین میں اسے بہت سراہا جاتا ہے۔ اسی موضوع پر ان کی کتاب انگریزی اور چینی زبان میں بہ یک وقت دورے کے اختتام سے قبل شائع ہو جاتی ہے۔ اس دورے میں وہ شنگھائی، پیتان اور دوسرے صوبوں میں اساتذہ، ٹیکنوکریٹس اور اقتصادی ماہرین سے تفصیلی میٹنگیں کرتے ہیں، مختلف جگہوں پر لیکچر دیتے ہیں۔ چین کی برق رفتاری سے ترقی اور خوش حالی کے آسراور موزان پر منکشف ہوتے ہیں۔

ناول کے آغاز میں امریکا جانے والے خلیل کی ایک سال کے مطالعاتی اور تربیتی دورے کے بعد کراچی واپسی ہوتی ہے۔ امریکا میں اس کی پینٹاگون کے ترجمانوں اور تھنک ٹینکوں سے نشستیں رہیں، جو اسے متاثر کرنے کی بجائے مایوس کن ہی ثابت ہوئیں۔ اس کے خیال میں

امریکی، خطے کے حالات کو قابو کرنے میں مطلق سنجیدہ نہیں، تاہم خلیل کو پینٹاگون کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے سب سے زیادہ اہم نکات کاؤنٹر ٹیر رازم کی بریفنگوں سے میسر آئے۔ پینٹاگون سے ملنے والی خبریں خلیل کے توسط سے ”جگنو“ پر بریکنگ نیوز کے طور پر چلائی جاتی رہیں۔ امریکا کی طرف سے دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کی تواتر سے کارروائیوں کا علم بھی اسے پینٹاگون ہی میں ہوا۔ جسے وہ رپورٹ بنا کر مرحلہ وار اپنے چینل کے لیے بھیجتا رہا۔ خلیل امریکا میں قیام کے دوران سدرہ سے مسلسل رابطے میں رہا۔ وہ امریکا کی درون خانہ حقیقی داستانِ حیات سنانے کے ساتھ ساتھ سدرہ سے اپنا حالِ دل بھی بیان کرتا رہا۔ امریکا سے پاکستان واپس آ جانے کے بعد ناول کے اختتام پر، خلیل کرونائی دور میں سدرہ سے شادی کر لیتا ہے۔ یوں ”انجام بخیر“ مقامی، ملکی اور عالمی ابھرتی ڈوبتی المیہ صورتِ حال کی عکاسی کرتے بالآخر خوش گوار لمحات کو سمیٹتے ہوئے انجام پذیر ہو جاتا ہے۔

محمود شام نے ”انجام بخیر“ کی کہانی کو صحافتی تناظر میں طاقت ورنجیف اور خیر و شر کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ان عوامل کی تفصیل ہمیں ناول میں جابجا لینڈ مافیا، بم دھماکے، فائرنگ، قتل و غارت گری، نقل مکانی، صحافتی مکروفریب، جرأتِ صحافت، حیاتِ مکتب و مدارس، وڈیراشاہی، فانا اور بلوچستان میں مظالم، امریکی جارحیت، افغانستان کی تاراجی، چین کی خوش حالی وغیرہ سے ملتی ہیں۔ طاقت ور، کم زور کو زیر کرنے کے ہر ہتھکنڈے کو روزِ اوّل ہی سے بروئے کار لاتا رہا ہے، جس سے مظالم کی نت نئی داستانیں رقم ہوتی رہی ہیں۔ جسے تاریخ اور شعبہ صحافت میں ہر دور میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ہماری سیاسی و سماجی زندگی کے معائب و محاسن سے کما حقہ آگاہی رکھنے اور بیان کرنے والے عموماً میدانِ صحافت کے شہسوار ہی ہوتے ہیں۔ سماجی اور سیاسی مسائل کی دکھتی رگوں سے ان کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ عوام میں سماجی اور سیاسی شعور کو پروان چڑھانے کا سبب یہی شعبہ بنتا ہے۔ شعبہ صحافت سے نکلنے والی خبریں، تجزیے، اداریے، کالم اپنی چوبیس گھنٹوں کی بہار دکھا کر گوشہ گم نامی میں چلے جاتے ہیں، لیکن اگر انھیں مردّجہ تکنیکیوں اور قرینوں سے کسی بھی صنفِ ادب کی زینت بنادیا جائے تو یہ مدتوں ہمارے مشامِ جاں کو مسحور و معطر کرتے رہیں گی۔ جہاں دیدہ محمود شام نے غالباً اسی فکر کے تناظر میں ”انجام بخیر“ کو دس برسوں کی جان کا ہی سے رقم کیا۔ شعبہ صحافت کے شب و روز، گرم و سرد اور اس سے جڑے مسائل سے واقفیت رکھنے کی بنا پر وہ انھیں مشاقی سے بیان کرنے پر قادر رہے ہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی، شوق یا مشغلے کو فلشن میں ڈھال دینا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ بل کہ وقت کی کسوٹی پر حاصل شدہ یہ تجربہ اور مشاہدہ کسی بھی ناول کو مہمیز کا باعث بنتا ہے۔ پیشوں اور مشغلوں کے سبب تجربات و مشاہدات کو تخلیقات میں کثرت سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔

نوبل انعام یافتہ ناول ارنسٹ ہیمنگ وے کو مچھلی پکڑنے اور شکار کا شوق تھا، جو اسے وراثت میں ملا تھا۔ اسی تجربے کی تفصیلی جھلکیاں ہمیں ان کے شہرہ آفاق ناول: "بوڑھا اور سمندر" (The old man and the sea) (7) میں بھی نظر آتی ہیں۔ ہرمن میلویل بھی انہی خصوصیات سے متصف تھا، اس نے طویل عرصہ سمندر میں ایک ملاح کی حیثیت سے مہم جوئی کی۔ بعد ازاں یہی سمندری تجربات و مشاہدات ان کے شاہکار ناول "موبی ڈک" (Moby Dick) (8) میں ظاہر ہوئے۔ ابوالفضل صدیقی زمیندار گھرانے سے نسبت کی بنا پر ان کے افسانوں میں شکار، زراعت، باغات، جنگلات اور جانوروں وغیرہ کا ذکر ملے گا۔ شعبہ طب سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر شیر شاہ سید نے متعدد افسانوں اور ایک ناول "غبار" (9) میں طبی مسائل و مصائب اور بیماریوں کو دل نشیں پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اب محمود شام بھی اس فہرست میں شامل ہو گئے ہیں، جنہوں نے "انجام بخیر" میں شعبہ صحافت کی صحافیانہ حقیقتوں اور اس کے متوازی سفاک حقیقتوں کو عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پاکستان کے چوتھے آرمی چیف جنرل پرویز مشرف نے 12 / اکتوبر 1999ء کو مسلم لیگ نواز شریف کی جمہوری حکومت برطرف کر کے اپنے پیش روؤں کی تقلید کرتے ہوئے اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ گیارہ ستمبر 2001ء کے بعد افغانستان میں چڑھائی کے موقع پر آمر مشرف نے امریکا کا بھرپور ساتھ دیا۔ جس کے نتیجے میں بعد ازاں دہشت گردی کے حوالے سے پاکستان شدید متاثر ہوا۔ ناول "انجام بخیر" کے آغاز میں دھماکے کا ذکر اسی گٹھ جوڑ کا ثمرہ ہے۔ محمود شام نے انیسویں صدی کی دودھائیوں کی انہی سیاسی اور سماجی انتشار و ابتلا کو حقیقت پسندانہ انداز میں جرأت رندانہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

"انجام بخیر" کا مجموعی سطح پر حدود اربعہ کراچی ہے۔ لیکن اس میں وطن عزیز کے پانچوں صوبوں کا بھی ذکر ہے۔ نیز امریکا، چین، بھارت، ایران اور افغانستان کا بھی ذکر خیر و شرم ملتا ہے۔ یہ ناول تفصیل سے کراچی کو موضوع بحث بنائے جانے والا اولین شہ پارہ نہیں ہے۔ اس سے قبل متعدد ناول کراچی کے حوالے سے منصفہ شہود پر آچکے ہیں۔ "انجام بخیر" کے پیش لفظ میں ڈاکٹر سید جعفر احمد نے کراچی کے حوالے سے چار ناولوں: "چاکی واڑا میں وصال" (محمد خالد اختر)، "ہاؤسنگ سوسائٹی" (قرۃ العین حیدر)، "خدا کی بستی" (شوکت صدیقی) اور "آگے سمندر ہے" (انتظار حسین) کا ذکر کیا ہے۔ (۱۰) ان ناولوں کے علاوہ بھی کراچی نے اردو ادب کو کئی ناول عطا کیے ہیں۔ مثلاً: "کراچی والے" (محمد امین الدین)، "کراچی" (فہمیدہ ریاض)، "راکھ" (مستنصر حسین تارڑ)، "ماروی اور مرجینا" اور "مٹی کا درخت" (نجم الحسن رضوی)، "گرد کا طوفان" اور "تکون کی چوتھی جہت" (اقبال خورشید)، "چار درویش اور ایک کچھوا" (سید کاشف رضا)، "مسکراتا ہوا بدھ" (محمد خالد اختر)، "شہر بے مہر" (حسن جاوید)، "غبار" (ڈاکٹر شیر شاہ سید)، "چچ" (انور سن رائے) وغیرہ۔ ان تمام ناولوں میں کراچی کی

قیام پاکستان کے بعد سے عصرِ حاضر تک کی بھلی اور بُری زندگی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ”انجام بخیر“ نے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے جلو میں مقامیت سے بین الاقوامیت تک کی کٹھنائی ہے۔

مقامیت میں کراچی کی فضا اول و آخر چھائی ہوئی ہے۔ محمود شام نے ناول کے پس منظر میں کراچی کو مفصل بیان کیا ہے۔ یہ شہر بے مثال دنیا کا چھٹا اور پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ دریائے سندھ کے مغرب میں بحیرہ عرب کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ ایک زمانے میں قدیم ماہی گیروں کی بستی کو ’مائی کولاچی‘ کہا جاتا تھا، جو انگریزوں کے دور میں بگڑ کر کراچی ہو گیا۔ (۱۱) ناؤں مل ہوتے چند نے اپنی یادداشتوں میں ”کلاچی“ کو میر بحر کا نام اور پانی کا چشمہ بھی قرار دیا ہے، جو بعد میں کراچی کہلانے لگا۔ (۱۲) قیام پاکستان کے وقت سے ۱۹۶۰ء تک اسے دارالحکومت بننے کا شرف بھی حاصل رہا۔ ۱۹۴۷ء میں چار لاکھ آبادی والا یہ شہر تقریباً تین کروڑ نفوس تک پہنچ گیا ہے۔ کثیر اور تیز ترین آبادی میں اضافہ والے اس شہر میں انسانوں کا ایک ایسا جنگل آباد ہے، جو اپنے اندر ہزاروں کہانیاں رکھتا ہے۔ یہاں قیام پاکستان کے وقت سے اسے اپنا مسکن بنانے کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ ہنوز تھما نہیں ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب بھی روزانہ حصولِ روزگار کے لیے پورے پاکستان سے سیکڑوں لوگ یہاں کا رخ کرتے ہیں۔ عارضی بنیادوں پر آنے والے یہاں کی چکا چوند اور فوری روزگار کو دیکھ کر اسے اپنا مستقل مستقر بنا لیتے ہیں۔ سرکاری ملازمتیں حاصل کرنا بھی ان لوگوں کے لیے چنداں مشکل نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اب کراچی میں بھانت بھانت کے مختلف زبانیں بولنے والے لوگ نظر آئیں گے۔ تقسیم کے وقت کی اکثریت اب اقلیت میں بدل چکی ہے۔ کثیر اللسانی اور کثیر النسلی تہذیب سے مملو سماج کو اب قبضہ مافیا، جرائم پیشہ اور منفی سرگرمیوں کے حامل لوگوں نے اس شہر کے حُسن کو گہنا دیا ہے۔ محمود شام نے ”انجام بخیر“ میں انھی مافیاؤں کی جگہ جگہ نشان دہی کی ہے۔ بالخصوص لینڈ مافیا کی بڑی مچھلیوں کو طشت ازبام کیا ہے۔ معاشی حب کہلائے جانے والے اس شہر میں قبضہ مافیا سرگرم ہے۔ انھوں نے غریب، نادار، کم زور، یتیم، بیواؤں کے پلاٹوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ سرکاری اراضی میدان، پارک، ریلوے اسٹیشن، پہاڑ، یہاں تک کہ قبرستانوں کو بھی نہیں بخشا ہے۔ شہر کراچی کے لیے یہ اضافے اور قبضے بد نما داغ ہیں۔ پطرس بخاری نے ”لاہور کا جغرافیہ“ میں اس نوع کی توسیع اور اضافے کو ”ورم“ سے تشبیہ دی ہے، جس میں موادِ فاسد بھرا ہوا ہے، جو لاہور کے ہر حصے پر ظاہر ہو رہا ہے۔ (۱۳) پطرس بخاری نے مذکورہ مضمون میں برسوں پہلے جس لاہور کا ذکر کرتے ہوئے طنز و مزاح کے پیرائے میں اس کے جو مسائل گنوائے تھے۔ اگر اس مضمون سے دریاؤں کا ذکر حذف کر دیا جائے تو اسے ہم ”کراچی کا جغرافیہ“ کا نام دے سکتے ہیں۔ پطرس کے مضمون میں آثارِ قدیمہ میں شمار ہوتی ٹوٹی پھوٹی سڑکیں، پانی کی عدم دستیابی، گرد و غبار، ماحولیاتی آلودگی، بیرونی شہروں سے لوگوں کی آمد، صنعتِ رسالہ بازی و انجمن سازی، دیواروں پر اشتہارات کی بھرمار، طلبہ کی متنوع اقسام وغیرہ

شامل ہیں۔ یہ سب ہم کراچی میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ کبھی کبھار تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی زمانے کا کراچی، آج کا لاہور بن گیا ہے اور پطرس کے لاہور نے موجودہ کراچی کا روپ دھار لیا ہے۔

محمود شام نے ”انجام بخیر“ میں فرضی اسمائے خاص کے انتخاب میں اصل ناموں سے مماثلت رکھتے ہوئے ناموں کو پیش کیا ہے۔ قاری ذرا سی کوشش کر کے باآسانی حقیقی ناموں تک پہنچ سکتا ہے۔ ناول میں پیش کردہ اسماء: ”ملک ایاز“، ”جگنو“، ”لشکر“ اور ”احمد حماد“ کے تذکرے کے ساتھ ہی ہمارا ذہن ”ملک ریاض“، ”جیو“، ”لشکر طیبہ“ اور ”محمود شام“ کی طرف چلا جاتا ہے۔ رواں صدی کا یہ اولین ناول ہے، جس میں ملک کے معروف ریل اسٹیٹ قبضہ مافیا کے سرخیل ”ملک ریاض“ پر پہلی بار اتنی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ وطن عزیز کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہونے والا یہ شخص شدت سے ہوائی سیم وزر کی بیماری میں مبتلا ہے۔ جس نے کراچی میں بحریہ ٹاؤن کے نام سے آباد کرنے والی زمین کو بد عنوان حکومت سندھ سے کوڑیوں کے داموں خرید کر، عوام کو کروڑوں، اربوں روپوں میں فروخت کر دی۔ لاکھوں لوگوں کو قرعہ اندازی میں پلاٹوں کے نمبر عطا کیے گئے، لیکن ان کا پورے بحریہ میں وجود نہیں تھا۔ وہ زمین اور نقشے سے تہی تھے۔ حرص و ہوس، جعل سازی اور لوٹ مار کا یہ کاروبار حکومت وقت کی پشت پناہی سے اب بھی زور و شور سے جاری و ساری ہے۔ تعمیری منصوبوں کا سرغنہ ملک ریاض نے کراچی سمیت پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں مظلوموں کی زمینوں پر خوب قبضہ کیا ہے۔ ملک کی اس بہتی گنگا سے ملک کی تمام بڑی سیاسی جماعتوں نے بھی ہاتھ دھوئے ہیں۔ محمود شام نے کراچی کے علاوہ راولپنڈی میں قبضے کی روداد کو کرداروں کے توسط سے یوں پیش کیا ہے:

"مجھے توپنڈی سے ہمارے رشتے داروں نے بتایا کہ کس طرح وہاں بیواؤں، یتیموں کی زمینوں پر قبضہ کیا ہے۔ آس پاس کے چودھری، ریٹائرڈ جنرل بھی اس سے مل جاتے ہیں۔ کتنے بے کسوں کا حق مارا ہے۔" (14)

اس مکروہ فعل میں دورانِ لیش ملک نے اپنے کاروبار کو مضبوط کرنے کے لیے سیاست دانوں، سیاسی و مذہبی جماعتوں، چودھریوں، عدالتوں، میڈیا مالکان اور فوجی افسروں تک کو اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے۔ ان سب زر خریدوں کو وہ اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے۔ سب اس کے سامنے سپر ڈالے رہتے ہیں۔ منفی سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کی غرض سے وہ فلاحی خدمت اور سخاوت کے مظاہرے بھی کرتا رہتا ہے۔ لنگر خانوں، مفت علاج معالجوں کے ذریعے اس نے دکھاوے اور ریاکاری کی اپنے جرائم پر لمبی چادر تان رکھی ہے۔ نام نہاد فیاضی اور شعبدے بازی کی ایسی مثالیں ناول ”انجام بخیر“ میں محمود شام نے ملک ایاز کے وسیلے سے پیش کی ہیں۔ جس نے پورے میڈیا کو خرید کر ریشمال بنالیا ہے۔ روزانہ کی بنیادوں پر اس کی جانب سے میڈیا کو دیے جانے والے لاکھوں کے اشتہارات، میڈیا مالکان کو کراچی دہلی میں عطا کردہ بنگلے،

اینکڑ پر سنوں کی شادیوں جیسے کاموں سے اس نے سب کے منہ بند کر دیے ہیں۔ ملک ایاز کی یہ خیرات درحقیقت اپنی ذات کے دفاع اور بدعنوانیوں کے الزامات سے بچاؤ کے لیے تھی، جس میں وہ ہر دور میں کامیاب رہا، اور میڈیا مالکان اسے مکمل تحفظ فراہم کرتے رہے۔ ناول میں ایک موقع پر رپورٹر سردرہ، چینل جگنو پر جب ملک ایاز کا پردہ فاش کرنے لگتی ہے۔ عین اسی لمحے چینل کے مالک شیخ عارف کی منشا سے منظر تبدیل کر کے اشتہارات چلوادیے جاتے ہیں۔ (15) جب میڈیا ملازمین کی تنخواہیں اور دیگر سہولیات کا دار و مدار ملک جیسا شخص کر رہا ہو تو مداخلت اور حمایت کے ایسے ہی مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کراچی میں مستقل رہائشیوں کو اپنے ذاتی گھروں سے بے گھر کر کے پچاس پچاس منزلہ ٹاور بنانے کی سعی حاصل کی جاتی ہے، جس پر عدالتِ عظمیٰ اور وطن عزیز کے بیسیوں چینل چُپ سادھ لیتے ہیں۔ یعنی ایک طرف عدالت کے حکم پر ”نسلہ ٹاور“ گر ادیا جاتا ہے، لیکن ”بحریہ“ بچا لیا جاتا ہے۔ دوسری جانب چینلوں کا یہ حال کہ ”بحریہ“ کی خبر دینے کے بجائے اداکارہ ’میرا‘ کی غلط انگریزی بولنے کی خبر چٹخارے لے لے کر بار بار نشر کی جاتی ہے!!

بڑے اور قدیم شہروں میں جب آبادی کا تناسب بہت زیادہ بڑھ جائے۔ خستہ حال انفراسٹرکچر پر بے پناہ دباؤ سے روزانہ کی بنیادوں پر نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگیں، تو ان کی تعمیرات اور مرمت کے ساتھ ساتھ نئے نئے شہر بھی آباد کرنے چاہئیں۔ کراچی کے لیے ملک ریاض کا تعمیراتی منصوبہ بلاشبہ قابلِ ستائش ہے، جہاں جدید بین الاقوامی طرز کی سہولیات اور آسائشوں کی فراوانی ہے۔ یہ بستیاں ترقی یافتہ ممالک کے شہروں سے مماثلت بھی رکھتی ہیں۔ یہاں معیاری اور آرام دہ زندگی بھی گزاری جاسکتی ہے، اسی بنا پر ناول نگار ”انجام بخیر“ میں ملک ایاز کے ان منصوبوں سے ایک موقع پر متاثر بھی نظر آتا ہے۔ نوآبادیاتی سوچ کے حامل متعدد افراد بھی اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن دھوکے دہی، جبر اور دہشت گردی کے ذریعے زمینیں ہتیا کر پلازے اور نئے شہر آباد کرنے کے بجائے اگر دیرواحرم بھی بنا دیے جائیں تو وہ بھی قابلِ مذمت ہی گردانے جائیں گے۔

ناول کے آغاز میں خلیل کے اغوا کو مدرسے سے نتھی کیا گیا ہے۔ محمود شام نے مدرسے کے اندرونی مناظر کی تصویر کشی کئی صفحات میں کی ہے۔ قاری کراچی میں دہشت گردی کے واقعات کو ناول میں پڑھ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ کراچی میں دہشت گردی کا راج عشروں پر محیط ہے۔ لیکن اغوا کاری کے اس عمل پر وہ چونکتا ہے۔ سوالات جنم لیتے ہیں: کیا دینی مدارس بھی ایسی گھناؤنے کاموں میں ملوث ہو سکتے ہیں؟ کیا قرآن و حدیث کی تعلیم دینے والی مقدّس جگہوں پر بھی سازشوں اور دہشت گردی کے تانے بانے بنے جاسکتے ہیں؟ کیا تعلیم و تعالیم والے ماحول میں نفرت کی فصل کاشت کی جاسکتی ہے؟ ایسے متعدد سوالات اُس کے ذہن پر کچوکے لگاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں پاکستان میں دینی مدارس کی اہمیت رہی ہے۔ کراچی میں مدرسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ سب سے زیادہ مساجد و مدارس رکھنے والے اس شہر میں

چندہ بھی سب سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی سب کے علم میں ہے کہ مقامی اور عالمی سطح پر ان مدارس کے طلبہ کا جہادی حوالے سے خوب استعمال ہوتا رہا ہے۔ مقامی سطح پر مذہبی سیاست دانوں نے فارغ التحصیل اور زیر تعلیم طلبہ کو اپنی سیاست کی نذر کروایا۔ انھیں ڈنڈوں اور دھرنوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ مذہبی اکابرین نے اپنی اولاد اور طلبہ کے مابین ہمیشہ فرق روار کھا۔ خود ان کی اولادیں ترقی یافتہ ممالک کی اعلیٰ ترین جامعات سے فیض یاب ہوتی رہیں، اور شکستہ فرشوں پر تحصیل علم کی غرض سے آئے یہاں کے غریب، نادار طلبہ کی وہ ذہن سازی کر کے انھیں اپنے مطلب و مفاد کے مطابق روندتے رہے۔ علمائے مدارس کی قابل رشک صحت کے ساتھ ان کے حجرے اور کمرے بھی تمام تر جدید اور شاہانہ سہولیات سے آراستہ و پیراستہ ہوئے۔ ایک زمانے تک بیرونی ملکوں کی امداد سے مدرسوں کی حالت زار میں نمایاں فرق دیکھنے کو آتا رہا۔ گیارہ ستمبر (۹/۱۱) کے بعد امریکی سختیوں کے باعث حکومت وقت نے طنائیں کھینچیں۔ اکاؤنٹ منجمد ہونے کے علاوہ مدرسوں کی رجسٹریشن لازمی قرار پائیں۔ نصابات بھی از سر نو مرتب ہوئے۔ ”انجام بخیر“ میں محمود شام نے مدارس کی انتظامیہ کا دہشت گردی اور لینڈ مافیا سے ربط ضبط کو دکھایا ہے۔ مفادات کی جنگ میں یہ معتبر دینی ادارے دہشت گرد عناصر اور قبضہ مافیا کے آلہ کار بن کر سہولت کاری کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ یاد رہے کہ پاکستان کے تمام دینی مدارس کا حال ایسا ہر گز نہیں ہے۔ پرویز مشرف کے دور اور بعد میں دینی مدارس کے ماحول اور طریق تدریس اور نصابات میں خاصا تغیر و تبدل رونما ہو چکا ہے۔ مدرسے کے فارغ التحصیل طلبہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ سے بدرجہا بہتر نظر آتے ہیں۔ حسن کردار اور حسن گفتار کی دولت سے سرشار ہونے کے علاوہ ان میں تخلیقی صلاحیتیں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اب یہ طلبہ روایتی تعلیم کے علاوہ جدید سائنسی علوم و فنون سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ ان کی مثبت تعلیمی سرگرمیوں کی کچھ روداد ”انجام بخیر“ میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

محمود شام نے ”انجام بخیر“ میں کراچی کے علاوہ بلوچستان، خیبر پختون خوا اور فاٹا کی حالت زار کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔ ان علاقوں میں حالات کی زیادہ تر خرابی افغانستان پر امریکی قبضے کے بعد دیکھنے میں آئی۔ بلوچستان اور فاٹا دہشت گردی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ افغانستان سے مسلسل نقل مکانی انھی علاقوں میں ہوتی رہی، اور پھر وہ یہاں مزاحمت کرتے رہے۔ ملک میں بڑھتی دہشت گردی، خود کش بم دھماکوں کے ماسٹر مائنڈ بھی یہی لوگ تھے۔ دہشت گردوں کی سرکوبی کے لیے پاکستانی فوجیوں نے وقتاً فوقتاً مختلف ناموں سے کئی آپریشن کیے۔ دہشت گردی اور تخریب کاری کا قلع قمع کرنے کے لیے پاکستانی فوجی آپریشن کے ساتھ ساتھ امریکیوں نے ڈرون کے ذریعے بھی کارروائیاں جاری رکھیں۔ جہاں سیکڑوں فوجیوں نے ان آپریشن میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، وہیں دہشت گردوں کی کمر بھی توڑ دی گئی۔ اس جنگ میں ہمارا جانی نقصان کے ساتھ مالی نقصان بھی بہت ہوا۔ امریکا کی جانب سے ملنے والے بیس ارب ڈالر کے مقابلے میں ہمیں اس جنگ

میں اپنے پانچ سو ارب ڈالر پھونکنے پڑے۔ ہم سے چار گنا یعنی دو ہزار ارب ڈالر سے زائد کا نقصان امریکا بہادر کو پاک افغان جنگ کی بنا پر بھی ہوا۔

جنگیں ہمیشہ بربادی ہی کا سبب بنتی ہیں۔ مطلوبہ اور مقررہ اہداف کسی بھی فریق کو حاصل نہیں ہوتے۔ آمر پرویز مشرف کے غلط فیصلے سے پاکستان خوفناک تباہی سے دوچار ہوا۔ فوجی آپریشن سے قبل خیبر پختون خوا کے حالات انتہائی دگرگوں تھے۔ خیبر پختون خوا اور فانا کے کئی علاقوں میں طالبان دندناتے پھرتے تھے۔ خوف کی فضا پورے علاقے پر طاری تھی۔ طالبان کا راج رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا۔ طالبان کی پیش قدمی سے متعلق یہی بات راقم السطور کو تعلیمی دورے کے موقع پر خیبر پختون خوا کے علاقے ”دیر“ میں وہاں کے کالج اساتذہ نے بھی بتائی۔ لیکن آپریشن نے ان سب کا صفایا کر دیا۔ بچ جانے والوں نے راہ فرار اختیار کی۔ ناول ”انجام بخیر“ میں حالات کی خرابی کے علاوہ مقامیوں کے غم و غصے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقامی لوگوں کی ناراضی کا سب سے بڑا سبب امریکیوں کے فضائی حملے تھے۔ جس میں دہشت گردوں کی ہلاکتوں کے ساتھ بے قصور معصوم بچے، عام آدمی اور عورتیں مار دی جاتی تھیں۔ ان حملوں میں جانی نقصان کے علاوہ ان کے مال مویشی، گھر بار سب تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔ مقامی، امریکیوں کو اس تباہی کے ذمے دار ٹھہرانے کے ساتھ پاکستان کو بھی مورد الزام ٹھہراتے تھے، جن کی آشیرواد سے یہ حملے ہو رہے تھے۔ حملوں میں اکاؤنٹنگ جانے والے افراد علم بغاوت بلند کر کے ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھا لیتے تھے۔ ہمارے کئی سیاست دان اس امر کا بار بار اظہار کر چکے ہیں کہ اگر ڈرون حملے میں ان کا خاندان تباہ کر دیا جائے تو وہ بھی اسی طرح کے فعل کے مرتکب ہوں گے۔ اسی قبیل کا اندازِ مخاطب، احساسِ محرومی اور جو روستم بلوچستان میں بھی کئی عشروں سے جاری ہے۔ لاپتا افراد کی بازیابی اور ایک علاحدہ ریاست کا مطالبہ عرصے سے چل رہا ہے۔ وہاں بھی کئی بار فوجی آپریشن ہوئے۔ آپریشن کے وقت اکثریت پہاڑوں میں روپوش ہوتی رہی ہے۔ بعض قبیلوں کے سردار سپر ڈالنے رہے ہیں، اور کچھ جنگی جنون میں مبتلا ہو کر عسکری قیادت سے نبرد آزما بھی رہے۔ سرداروں کی ہلاکتوں کے بعد بلوچستان میں ہمیشہ شورش میں شدت آتی ہے۔ جس کے نتیجے میں دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینئر، پولیس افسران اور صحافی ٹارگٹ کلنگ کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ مذہبی منافرت کو ہوا دینے کے لیے شریک ہزارہ برادری سے تعلق رکھنے والوں کو عموماً سب سے زیادہ جانی نقصان پہنچاتے ہیں۔ ماضی میں مقامی صحافیوں کو بھی کثیر تعداد میں ہلاک کیا گیا۔ بلوچستان میں غیر ملکی طاقتیں بھی سازشوں کے ذریعے وہاں کے وسائل کو استعمال کرنے سے باز رکھتی ہیں، اور کسی نئی دہشت گردی کی منصوبہ بندی میں مصروف عمل بھی رہتی ہے۔ اس نوع کی دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے افواجِ پاکستان، پولیس فورس اور انٹیلی ایجنسیوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اس دہشت گردی کو بڑھاوا دینے کی مذموم کوششیں جو بھارت کی جانب سے ہمیشہ کی جاتی رہی

ہیں، اب ان کا بھی سدباب کیا جا چکا ہے، وہاں خاصی بہتری آچکی ہے۔ ”انجام بخیر“ میں محمود شام نے بلوچستان کے اہم مسائل کی نشان دہی کے علاوہ مثبت تبدیلیوں کی بھی کئی حوالوں سے عکس ریزی کی ہے۔ سیاسی اور سماجی شعور نے انھیں اب بھارتیوں اور سرداروں کی کٹھ پتلی بننے کے بجائے تعلیمی اور سائنسی میدان میں بڑھنے کی راہ ہموار کر دی ہے۔ بلوچستان کے وسائل کو جدید طریقوں سے استعمال کر کے انھیں خود کفیل بنانے کے لیے اب عملی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔

محمود شام نے ”انجام بخیر“ میں برقی ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک میڈیا) کی وساطت سے امریکا، چین اور افغانستان کے تعلقات کو بھی پیش کیا ہے۔ امریکی اور چینی سفارت کاروں کی تینوں کرداروں سے کئی ملاقاتوں کا احوال ناول میں ملتا ہے۔ مذکورہ تینوں ممالک سے پاکستان کے دیرینہ سفارتی تعلقات رہے ہیں۔ ہمارے امریکا اور افغانستان سے تعلقات میں نرمی، گرمی، خفگی، عدم اعتماد اور شکوے شکایات کے معاملات بھی چلتے رہتے ہیں۔ البتہ پاکستان نے ہر موقع پر ان ممالک کا بساط بھر ساتھ دیا ہے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں گیارہ ستمبر (نائن الیون) ۲۰۰۱ء کے غیر معمولی اثرات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ دہشت گردی کی اس جنگ میں اپنی سلامتی کو داؤ پر لگا کر پاکستان دم آخر تک امریکا کا اتحادی بنا رہا، اور سب سے زیادہ جانی و مالی بھی نقصان اٹھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردوں کی بیخ کنی میں امریکا کی کامیابی پاکستان کے تعاون ہی سے ممکن ہوئی۔ اس جنگ میں افغانستان کو مزہ چکھانے کے لیے امریکا نے طاقت کا بے دریغ استعمال کرتے ہوئے بے رحمانہ کارفرمایوں کے ہولناک مناظر تاریخ میں رقم کیے۔ امریکا ہزاروں میل دور بیٹھ کر افغانستان اور پاکستان کے قبائلی علاقوں میں میزائل اور ڈرون حملوں کی تمام تر منصوبہ بندی پینڈاگون سے کرتا رہا اور ساتھ ہی اس کی جانب سے مسلسل عدم اطمینان کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ امریکا کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ”ڈومور“ کا مطالبہ، نیٹو کی حکمت عملی، طاقت ور ممالک کے سامنے اقوام متحدہ کی کمزور حیثیت کا ادراک اقوام عالم کو اچھی طرح ہو چکا ہے۔ پاکستان میں کئی وردی اور جمہوری حکومتی تبدیلیوں کے پیچھے امریکا کے ہاتھ سے بھی سب واقف ہیں۔ ایک زمانے تک افغانستان سے روسی فوجیوں کو نکالنے کے لیے دینی جماعتوں اور دینی مدارس پر کنٹرول حاصل کر کے جنھیں مجاہدین کہا جاتا رہا، مطلب براری کے بعد انھیں میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں دہشت گرد گردانا گیا۔ امریکا کی افغانستان پر چڑھائی کے بعد طالبان، القاعدہ اور داعش نے افغان سرحد عبور کر کے خیبر پختون خوا اور فاٹا کو اپنا مسکن بنا کر پاکستان کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس نقصان کی جھلکیاں ”انجام بخیر“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ امریکا کی طرح پاکستان اپنے پڑوسی ملک افغانستان سے بھی ہمیشہ اچھے تعلقات کا خواہاں رہا ہے۔ پاکستان اس کی ہر مرحلے پر معاونت بھی کرتا رہا ہے۔ اشیائے خورد و نوش کی تواتر سے فراہمی اور لاکھوں افغانیوں کو پناہ دینے کے معاملات سے سب آگاہ ہیں۔ لیکن بدلے میں ہمیشہ افغانستان، پاکستان کو آنکھیں دکھاتا رہا ہے۔ افغان جنگجوؤں کی جانب سے دراندازی کا بدستور سلسلہ

جاری ہے۔ رواں ماہ ہی ۶ ستمبر ۲۰۲۳ء کو سیکڑوں مسلح طالبان نے چترال کے انتہائی پُر امن علاقے وادی کیلاش میں دھاوا بولا تھا۔ جنہیں ہماری سیکورٹی اداروں کے جانباز سپاہیوں نے نہ صرف ناکام بنایا، بل کہ انہیں درجنوں لاشوں کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ جس ہزیمت کا سامنا بھارت کو ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء میں کرنا پڑا تھا، وہی تاریخ افغانستان نے دہرا دی تھی۔ ایسی بزدلانہ کارروائیوں کے پیچھے بھارت کی آکسہٹ اور ربط خاص کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بلوچستان میں بھی ایسی ہی مذموم کوششیں اس کی جانب سے کی جاتی رہی ہیں۔ مذکورہ ممالک میں پاکستان کا چین سے تعلق ہمیشہ سے مثالی رہا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں چین کی نئی حکومت کو تسلیم کرنے والا پاکستان اسلامی ملکوں میں اولین ملک تھا۔ ۷۴ برسوں میں باہمی تعلقات کے ذریعے تجارتی، دفاعی، ثقافتی اور صنعتی شعبوں میں فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس صدی کے دوسرے عشرے میں ایک عظیم الشان منصوبہ پاک چائنا کنکام کوریڈور (سی پیک) ہے۔ چین کی مدد سے یہ تجارتی شاہ راہ درآمدی اور برآمدی حوالے سے معاشی انقلاب برپا کرے گی۔ محمود شام نے ”انجام بخیر“ میں احمد حماد کے سفر چین میں تفصیل سے ”سی پیک“ کو اجاگر کیا ہے۔ چین کا ملین ڈالروں کا یہ منصوبہ جہاں پاکستان کے لیے منفعت کا باعث ہے، وہیں اس تجارتی شاہ راہ سے عالمی منڈیوں میں رسائی کی بنیاد پر چین کی برآمدات کا حجم کئی گنا بڑھ جائے گا۔ جس سے اس کی معاشی ترقی کو مزید تقویت ملے گی۔

عصر حاضر میں انسانی قلوب و اذہان کو تیزی سے متاثر کرنے والے تین شعبے: برقی ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک میڈیا)، سماجی ذرائع ابلاغ (سوشل میڈیا) اور طباعتی ذرائع ابلاغ (پرنٹ میڈیا) ہیں۔ الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کی نسبت طباعتی ذرائع ابلاغ اب رُو بہ زوال ہے۔ تاہم دیگر ذرائع ابلاغ کی بدولت منفی پروپیگنڈا، ذہن سازی کر کے الیکشن جیتنا، بچوں کی خودکشیوں، بے ہودگیاں، الزام تراشیاں وغیرہ کا شیطانی کھیل اپنے عروج پر ہے۔ یہی ذرائع ابلاغ ہمیں مثبت سرگرمیوں کے ذریعے لمحہ بہ لمحہ جیسے: سائنسی ایجادات، تعلیمی انقلابات، سماجی اور سیاسی کارگزاریاں، ادبی منظر نامے، ہر شعبہ حیات کے اعداد و شمار، سیاسی اکابرین کی آمد و رفت وغیرہ سے آگاہ کرتے نظر آتے ہیں۔ تاہم ہر خاص و عام کی آگاہی میں برقی ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک میڈیا) پیش پیش ہے۔ ماضی کے جھروکوں سے دیکھیں تو گزشتہ صدی میں ہمیں صرف ایک ٹی وی چینل نظر آتا تھا، جس کی نشریات آدھی رات کے وقت بند کر دی جاتی تھیں، سرکاری اجارہ داری کے سبب اسے مکمل طور پر سرکار کی اطاعت کرنی پڑتی تھی۔ خبروں پر کامل سرکاری کنٹرول ہوتا تھا۔ سرکاری نقطہ نظر کے خلاف جانا ہمارا اکلوتا پی ٹی وی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسے جبر اور جس زدہ ماحول میں رواں صدی کے آغاز میں نجی چینلوں کی آمد عوام کے لیے کسی بہار کے جھونکے سے کم نہیں تھی۔ ساٹھ سے زائد نجی چینلوں کی یلغار نے بلاشبہ عوامی شعور کو غیر معمولی بڑھوتری عطا کی۔ صنعت کار اور ریل اسٹیٹ کے مگر مجھ بھی چینلوں کی بہتات میں اضافے کا سبب بنے۔ ہر چینل پر چوبیس چوبیس گھنٹوں کی طویل نشریات میں میڈیا کی اپنی مرضی کا بے باکانہ طرزِ اظہار

سے حکومت اور برقی ذرائع ابلاغ کے درمیان دوریاں بھی بڑھیں۔ مشرق دور میں یہ خلیج نمایاں ہو کر سامنے آئی۔ لیکن اب صورت حال یکسر مختلف ہے، سیاست دانوں کو گھنٹوں بڑا بھلا کہنے والے اینکروں میں اتنی جرات نہیں ہے کہ وہ چند تنقیدی جملے اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں کی شان میں ادا کر جائیں۔ ظاہر ہے کہ آزادی صحافت کا موجودہ دور میں گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ خفیہ اداروں اور حکومت وقت کی جانب سے دباؤ اور جبر میڈیا کے آڑے آتا ہے۔ موضوعات اور مواد کی کمی کی بنا پر برقی ذرائع ابلاغ کو اب دہرانے کے عمل سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ ٹی وی ٹاک شوز میں اینکروں کی بچھائی بساط پر جاری طوفان بد تمیزی، چیخ پکار اور مہابھارت کو اب باشعور عوام خوب سمجھ چکے ہیں۔ انھی چینلوں پر چلنے والی عام خبریں، جنہیں ”بریکنگ نیوز“ کا نام دیا جاتا ہے، اب اپنی کشش اور اہمیت کھو چکی ہیں۔ شعبہ صحافت میں عوامی سطح کی پذیرائی اور خرابیاں وقت کے دھارے پر اپنا رخ تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ محمود شام نے ”انجام بخیر“ میں صحافیانہ سرگرمیوں اور تبدیلیوں کو ”جگنو“ چینل کے وسیلے سے بیان کیا ہے۔ جہاں ناول میں چند کرداروں کی اہمیت مسلم ہے، وہیں اس چینل کے وجود کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ پورے ناول میں ساری بھاگ دوڑ اور سفر و حضر کا مرکز و محور جگنو چینل ہی رہتا ہے۔ برقی ذرائع ابلاغ کی دنیا، مفادات کے تحفظات، پالیسی میکر، مالکان کارویہ، جاگیر دار اور بااثر افراد کا اثر و نفوذ کیسے میڈیا پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ان سب کو محمود شام معرض بحث میں لائے ہیں۔ میڈیا پر اثر انداز ہونے کے ایک طبقے کا ذکر ناول نگار نے ملک ایاز کے حوالے سے کر دیا ہے۔ جب کہ اسی حوالے سے ہمیں میڈیا پر کئی بااثر طبقے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مداخلت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں حکمران سیاسی جماعتیں اور اسٹیبلشمنٹ سر فہرست ہیں۔ جمہوریت کے نام پر سیاسی جماعتیں اور طاقت کے بل بوتے پر اسٹیبلشمنٹ ہر دور میں صحافت کو گود لیتی رہی ہے۔ کچھ اینکر پرسن اور صحافی حضرات ان طاقت وروں کی چھتری تلے جمع ہو کر مفادات کا سودا بھی کرتے رہے ہیں۔ بعض چینل اس گٹھ جوڑ میں اپنے لیے کوئی عار بھی محسوس نہیں کرتے۔ جگنو چینل کے توسط سے ناول نگار نے میڈیا مالک شیخ عارف اور پراپرٹی ٹائیکون ملک ایاز کی جو نقاب کشائی کی ہے، اس میں وہ اپنے اپنے مفادات کے تحفظات میں منفی سرگرمیوں میں ملوث نظر آتے ہیں۔ میڈیا سے متعلق عیاری اور مکاری صرف انھی دو شخصیات سے وابستہ ہے، جس میں ایک نمائندہ میڈیا سے باہر کا ہے۔ جب کہ میڈیا سے متعلق تمام ورکر مثبت سوچ کے حامل ہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں جو جان ہتھیلی پر رکھ کر خطرناک علاقوں میں صحافیانہ ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں۔ ناول کی ہیروئن سدرہ ایسی ہی باشعور اور نڈر لڑکی ہے، جو کراچی کے بعد بلوچستان اور فٹا کے شورش زدہ علاقوں میں بے خوف ہو کر انٹرویو کرتی پھرتی ہے۔ رپورٹر کی حیثیت سے آغاز کرنے والی یہ لڑکی میدان صحافت میں اپنی شبانہ روز محنت سے جلد ہی نمایاں مقام حاصل کر لیتی ہے۔ خلیل اور احمد حماد بھی ایسے ہی صحافتی شعبے کے مثبت رجحان کے وہ حامل کردار ہیں، جو میڈیا کی سرخروئی کا باعث بنتے ہیں۔

اب ہم ”انجام بخیر“ کے فن کے حوالے سے بات کر لیتے ہیں۔ موضوع، مواد، ہیئت، تکنیک، پلاٹ، تاریخ اور اسلوب کے حوالے سے ناول نے بتدریج ارتقائی مرحلے طے کیے ہیں۔ نصف صدی سے زائد عرصے سے لکھنے والے محمود شام نے اس ناول میں جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ تصنع اور بناوٹ سے ہٹ کر عصر حاضر کی اردو زبان ہے۔ محمود شام شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی، لیکن انھوں نے شاعرانہ اور ساحرانہ نثر سے دانستہ پرہیز کیا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ناول نگار نے تشبیہات و استعارات اور کنایوں سے نثر کو بو جھل نہیں ہونے دیا۔ قاری کا دھیان زبان کی بھول بھلیوں میں الجھنے کے بجائے اوّل تا آخر موضوع ہی کے ساتھ رہتا ہے۔ صحافتی شعبے کو بیان کرتے وقت بھی انھوں نے میڈیا کی لفظیات اور اصطلاحات کو پیش نظر رکھا ہے۔ اسلوب بیان کی یہ صورت گری ہمیں ماضی قریب و بعید کے ناول نگاروں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ پریم چند کے ”گودان“ (۱۶) میں دیہی اور سنسکرت زدہ الفاظ، مستنصر حسین تارڑ کے ”بہاؤ“ (۱۷) میں کمھاروں اور دریائے گھگرا کے قرب و جوار کی قدیم لفظیات، شمس الرحمن فاروقی کے ”کئی چاند تھے سر آسمان“ (۱۸) میں فنون لطیفہ، قدیم گھریلو اشیا اور خواتین کی آرائش و زیبائش کی لفظیات، اختر رضا سلیمی کے ”جنر“ (۱۹) میں ضلع ہزارہ کی علاقائی زبان کے الفاظ و محاورات سے خاطر خواہ اخذ و اکتساب کیا گیا ہے۔ محمود شام نے ناول کا بیش تر حصہ برقی ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک میڈیا) کے شب و روز اور کارکردگی سے متعلق رکھا ہے۔ اس لیے ٹی وی چینلوں سے متعلق ہمارے کانوں میں پڑنے والے الفاظ بھی اس ناول کے بیانیے میں شامل ہیں۔ کچھ مانوس اور غیر مانوس انگریزی اردو الفاظ میں: ”ریٹنگ“، ”آن ایئر“، ”سب سے پہلے“، ”نمبر ون“، ”آج پھر بازی لے گیا“، ”بلیٹن“، ”خبر بریک“، ”اسکورنگ“، ”خبر پھوڑ دو“ وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر مانوس فقرہ کو فوری نشر کرنے کی غرض سے ہے۔ سماعتوں کو ناگوار لگنے کے باوجود یہ فقرہ چینلوں کے روزمرہ میں شامل ہو گیا ہے، اور یہ ہمیں ان کی نفسیات سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اسی طرح مختلف چینلوں سے آئے روز سننے والے ٹیپ کے مصرعے کی طرح ”نمبر ون“، ”بازی لے گیا“ اور ”سب سے آگے“ کی بازگشت ”انجام بخیر“ میں بھی ”جگنو“ چینل کے حوالے سے بار بار سُنی گئی۔ ”جیو“ چینل، اخباری جنگ گروپ کے تحت قائم ہوا تھا۔ اس کی نشریات اکتوبر ۲۰۰۲ء میں شروع ہوئیں۔ (۲۰) جس طرح تمام اخبارات میں ”جنگ اخبار“ فوقیت رکھتا تھا، اسی طرح جنگ گروپ کا یہ چینل اپنی انفرادیت، تیز ترین رپورٹنگ، تحقیق و تدقیق اور جدّت کی وجہ سے سب چینلوں پر سبقت لے گیا۔ یہ پاکستان کا واحد نجی چینل تھا، جس کی نشریات کو ارباب اختیار نے ۷۷ دن تک بند کیے رکھیں۔ پاکستان کے سب سے بڑے اخبار جنگ سے محمود شام کی وابستگی دودھائیوں سے بھی زائد عرصے پر محیط ہے۔ وہ براہ راست کبھی اس چینل کا حصہ نہیں رہے، لیکن روزنامہ جنگ سے تعلق اور سینئر صحافی ہونے کی بنا پر جیو چینل کا آغاز کرنے، اجلاس میں شرکت، اس کی فیصلہ سازی اور مشاورت میں ان کا بنیادی کردار رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں مذکورہ لفظیات کو ماجرے کی بساط پر احسن طریقے سے برتا ہے۔

فنی اعتبار سے ”انجام بخیر“ میں محمود شام نے رومانیت کو بھی معقول جگہ دی ہے۔ سدرہ اور خلیل کی رومانی زندگی کو بڑے ہی محتاط انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہجر و وصال کے لمحات میں ناول نگار نے دونوں کو حدِ اعتدال میں رکھا ہے۔ جذبات و احساسات کی انتہا پسندی اور وارفتگی نے انھیں عقل اور تہذیب کی گرفت میں رکھا۔ متعدد ملاقاتی لمحات میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایجنٹہ ہوئے جذبوں کے تحت وہ اخلاقی حدود و قیود کو پامال کر دیں گے، لیکن ایسا مطلق نہیں ہوا۔ جذبات انگیز خیالات، وفورِ محبت اور رومانی ماحول نے بھی انھیں عیش کوشی اور لذت پرستی کا شکار نہیں ہونے دیا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ناول نگار نے دونوں کے بیچ صرف یک طرفہ محبت کا دیپ جلایا ہو۔ ان دونوں کے درمیان ناول کے آغاز تا آخر دو طرفہ محبت کے الاؤ روشن تھے۔ تاہم ناول نگار نے تخیل کی باگیں ڈھیلی نہیں چھوڑیں۔ رومانی ماحول میں بھی مبالغہ آمیز تخیل سے گریز کرتے ہوئے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا۔ ناول کا ہیرو و بیرون ملک سے ایک سال بعد لوٹتا ہے، آزادانہ ماحول سے آیا ہوا خلیل اس وقت بھی سدرہ سے ملاقات میں بے لگام نہیں ہوا۔ ناول نگار نے داخلی کیفیات کے اظہار کے لیے سطحی جذبات اور ہوس زدہ خیالات سے انھیں آلودہ نہ ہونے دیا۔ فلمی جوڑوں کی طرح ان پر جذبات غالب نہ آ سکے۔ پورے ناول میں ان کی منزہ و مصطفیٰ جذبوں سے لب ریز محبت ایک صحت مندر رویے کی حامل نظر آتی ہے۔ سدرہ اور خلیل کی ایک ملاقات کا حال ملاحظہ کیجیے:

"وہ سامنے دو کی میز ہے۔ دیکھ لیجیے، روشنی کچھ کم ہے۔"

خلیل سدرہ سے پوچھتا ہے: 'روشنی تو نہیں چاہیے۔'

سدرہ: 'حماد صاحب سے بہت مل چکی۔'

خلیل خوش ہے کہ سدرہ اس وقت خوش گوار موڈ میں ہے۔ ماحول بہت دوستانہ ہے، ہلکی ہلکی روشنی، مدھم مدھم موسیقی کی ٹریں۔

'سدرہ! آج پہلی بار ہم اتنے خوش گوار انداز میں ہم سخن ہیں۔...'

خلیل! اتنی مشکل زبان کیوں۔ کیا امریکا میں شاعری کرنے لگے تھے۔"

سدرہ! تمہارا اندازہ صحیح ہے۔ معمول کے پیشہ ورانہ امور سے جب فرصت ملتی تھی تو میں شاعری سنتا تھا۔'

خلیل بھی سدرہ کی یہ سنجیدگی دیکھ کر موڈ کو اُسی رنگ میں لارہا ہے، لیکن اندرا لگ کش مکش جاری ہے۔ وہ آج رومانی ہونے کی سوچ رہا تھا،

مگر سدرہ کے لہجے نے اُسے پھر اپنا زلی سنجیدہ پن اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔" (21)

فنی اعتبار سے پلاٹ میں قصہ بیان کرنے کے عموماً تین طریقے ملتے ہیں۔ اول: مقبول عام طریقے میں ناول نگار ایک مؤرخ کی

حیثیت سے واقعات کی عکس ریزی کرتا ہے۔ دوم: صیغہ متکلم میں واقعات کو پیش کرتا ہے، اس کی نوعیت خود نوشت کی سی ہوتی ہے۔ سوم:

خطوط کے ذریعے قصہ گوئی کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ مشکل اور کم یاب ہے۔ تاہم اسے رچرڈسن اور ایم اسلم کے ہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ (۲۲)

ان تین معروف طریقوں کے علاوہ چوتھا طریقہ بھی مستعمل ہے، لیکن یہ بھی کم یاب ہے۔ اس طریقے میں قصے کو ڈائری کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ”مجھوں کی ڈائری“ (قاضی عبدالغفار)، ”شاہ اور مات“ (راجندر یادو) اور ”ایک پاگل کی ڈائری“ (فیودر دستوئیفسکی) میں اس صورت گری کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اب پانچواں طریقہ بھی منظر عام پر آگیا ہے، اس پانچویں طریقے کو ”انجام بخیر“ میں خوب برتا گیا ہے۔ محمود شام نے فعل حال مطلق (Present indefinite Tense) کی تکنیک سے ناول کو آراستہ کیا ہے۔ ناول کا بیش تر حصہ فعل حال ہی پر صرف ہوا ہے، لیکن مذکورہ دیگر طریقوں سے بھی انھوں نے استفادہ کیا ہے۔ مؤرخ اور خود نوشت کی طرح روایتی طریقے میں ناول رقم کرنا قدرے سہل ہے۔ جب کہ فعل حال کے نئے طریقے سے پلاٹ بننا مشکل ہی نہیں خود اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ناول نگار اس جدید طریق اظہار میں انتہائی پُر اعتماد اور ایک ماہر فن کار کی صورت میں جلوہ گر ہوا ہے۔ فعل حال کی ناول سے ایک مختصر مثال پیش خدمت ہے:

”سدرہ کہتی ہے: ”نہیں ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میں اپنے دفتر سے مشورہ کر کے بیان دے سکوں گی۔ فی الحال تو مجھے اپنے ڈرائیور کی فکر ہے۔“

ایس ایس پی صاحب کہتے ہیں: ”اس کا آپریشن ہو گیا ہے۔ اب خطرے سے باہر ہے، گولیاں اس کے کندھے پر لگی ہیں۔“
سدرہ بے ساختہ کہتی ہے: ”اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اُس کے تو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ دشمنی تو صحافیوں سے ہوتی ہے۔ یہ بے چارے زد میں آجاتے ہیں۔ (23)

اردو ناولوں میں شاعرانہ نثر کے ساتھ ساتھ اشعار کے استعمال کا رواج بھی رہا ہے۔ اردو اور فارسی اشعار کا بہترین استعمال شمس الرحمن فاروقی نے اپنے ناول ”کئی چاند تھے سر آسمان“ میں کیا ہے۔ موقع محل کی مناسبت سے شعر و سخن کا استعمال اُس دور کی شعری روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے بڑی چابک دستی سے انجام دیا ہے۔ محمود شام ناول نگار سے قبل ایک شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ آپ کے بارہ شعری مجموعے (24) آچکے ہیں۔ آپ نے ”انجام بخیر“ میں بر محل اور موقع کے لحاظ سے اردو کے ضرب المثل اور اعلیٰ درجے کے متعدد اشعار پیش کیے ہیں۔ یہ اشعار اردو کے نامور شعرا کے علاوہ بیش تر خود ناول نگار ہی کے ہیں۔ بعض موقعوں پر مصنف نے حسب ضرورت برجستہ مصرعوں سے بھی کام چلایا ہے۔ غالب کا ایک مصرع: ”مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں“ (25) کے بجائے ”مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں“ غلط رقم ہو گیا ہے۔ (26) تاہم انھوں نے مصرعوں اور شعروں کی شمولیت کے باوجود خواب ناک، تخیلی اور طلسمی فضا ناول میں طاری نہیں ہونے دی۔ عموماً شعر اجب نثر میں طبع آزمائی کرتے ہیں تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ ہر صنف نثر میں بلا ضرورت اور بے محل اشعار کا بے دریغ استعمال کر جاتے ہیں۔ طرہ تماشا یہ ہوتا ہے کہ اکثر وہ اشعار ان کے خود کے ہوتے ہیں۔ فکشن

میں بلاوجہ شعروں کا انتخاب رُسوائی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ لیکن ”انجام بخیر“ میں غیر ضروری اشعار کی ایسی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ یہ درست ہے کہ کبھی بیانے کے صفحے در صفحے قاری پر ابلاغ نہیں کر پاتے، اس کے برعکس وہیں ایک مصرع یا ایک شعر سے مطلب براری ہو جاتی ہے۔

شعر و سخن ہی کی طرح ”انجام بخیر“ میں ہمیں احمد حماد کی جگہ محمود شام نظر آتے ہیں۔ جس کا اوپر ہم تذکرہ کر آئے ہیں۔ اردو فکشن میں مصنف کی آمد اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ ماضی میں ”بابو گوپی ناتھ“، ”علی پور کا ایل“ جیسی دیگر تخلیقات میں مصنف بطور کردار پیش ہوتے رہے ہیں۔ سب سے اہم بات دیکھنے کی یہ ہے کہ ناول میں کردار کی نوعیت کس طرح کی ہے۔ متن کے اندر بیان کو آگے بڑھانے میں وہ کیا کردار ادا کر رہا ہے۔ ناول نگار نے پلاٹ کی مناسبت سے واقعے کو بیان کرنے کے لیے جو راوی داخل کیا ہے، وہ راوی ہونے کا حق ادا بھی کر رہا ہے یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ راوی کے بجائے مصنف خود داخل ہو گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ اعتراضات کی زد میں آسکتا ہے۔ اعتراضات سے پہلے یہ دیکھ لینا بے حد ضروری ہے کہ وہ ناول میں بے جا مداخلت کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہے۔ کہیں اس نے پسند و ناصح کا دفتر تو نہیں کھول دیا تھا۔ کیا اپنی ذات کو اس نے تمام کرداروں پر حاوی ہو کر یا ترجیح دیتے ہوئے ایک مثالی اور فرشتہ صفت کردار کے طور پر تو پیش نہیں کر دیا۔ ”انجام بخیر“ کی قرأت بتاتی ہے کہ محمود شام ناول میں راوی کے طور پر ہی داخل ہوئے ہیں۔ انھوں نے وہاں مصنف کا چو لا نہیں پہنا، کہیں ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ محمود شام، احمد حماد کا روپ اختیار کر کے بھی ناول سے باہر ہی رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ ناول کی بقا اور اس کی عظمت کے لیے مستحسن عمل ہے۔ ”انجام بخیر“ میں احمد حماد کا کردار شعبہ صحافت کے ایک سینئر صحافی کا ہے۔ جنھیں ملکی اور عالمی سیاست کی پوری تاریخ ازبر ہے۔ ان کے توسط سے ناول کے موضوع کو فکری پھیلاؤ عطا ہوا ہے۔ ناول کے مرکزی کردار سدرہ اور خلیل بھی زندگی کے ہر موڑ پر ان سے رہنمائی لیتے رہے۔ دونوں کرداروں نے دانشور اور زیرک صحافی احمد حماد کے سامنے فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیشہ سر تسلیم خم کیا۔ ناول نگار نے احمد حماد کو متعدد اوصاف کا حامل ضرور قرار دیا، لیکن فرشتہ صفت اور مثالی بنانے کے بجائے بشر ہی رہنے دیا۔ اس کا ثبوت دو موقعوں پر ناول سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ پہلا موقع جب احمد حماد کی ملاقات سفارت کاروں سے ہوتی ہے۔ ویٹرانھیں سبجے ہوئے ٹرے میں ڈر نکس پیش کرتے ہیں اور وہ بغیر لیت و لعل و ہسکی کا گلاس اٹھا لیتے ہیں۔ (27) دوسرا موقع ناول کے اختتام کا ہے، جب کرونائی دور میں خلیل کی شادی ہو رہی ہے، اور اس اہم تقریب پر جگنو چینل کے مالک، ان کی زوجہ اور دیگر افراد موجود ہیں، لیکن آج اس اہم تقریب میں احمد حماد غائب ہیں۔ جو ان ڈلھا ڈلھن کے قبلہ و کعبہ اور پیر و مرشد ہیں۔ احمد حماد کی عدم موجودگی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ انھیں دیگر کرداروں پر ترجیح اور حاوی نہیں ہونے دیا گیا۔ محمود شام جو احمد حماد کی صورت میں ناول میں طلوع ہوئے تھے، انھیں ناول نگار

نے راوی کی طرح ہی نبھایا، مصنف کا مقام و مرتبہ عطا نہیں کیا۔ سدرہ اور خلیل کی شادی میں احمد حماد کی غیر حاضری کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ یہ کورونا کا زمانہ ہے، جو افراتفری، خلفشار اور خوف سے مزین ہے۔ اس وبائی، پُر آشوب اور افراتفری کے زمانے میں لوگ رشتوں ناتوں کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ فراموشی، ریاستی جبر اور افراتفری دکھا کر اپنے گرد و مدعو نہ کرنا ہی دراصل ناول میں حقیقت کا رنگ بھرنا مقصود تھا، جس میں وہ کامیاب رہے ہیں۔

محمود شام کا ناول ”انجام بخیر“ ایک طرف جہاں خوبیوں سے مرصع ہے، وہیں ہمیں فراہمی معلومات اور تحقیق و تدقیق میں کچھ فرو گذاشتیں بھی محسوس ہوئیں، جس کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

☆ ناول ادب کی وہ واحد صنف ہے، جس میں اپنے اندر تمام علوم کو سمیٹنے اور زمان و مکاں کو بیان کرنے کی پوری قوت موجود ہوتی ہے۔ اردو ناولوں میں تصورِ وقت کو اُجاگر کیا جاتا رہا ہے۔ ناول نگار ہزاروں اور سیکڑوں سال کی زمانی اور مکانی دوریوں کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے کے ہنر سے واقفیت رکھتا ہے۔ ”انجام بخیر“ میں ناول کے ہیر و کا امریکا جانے میں دورانیے کے بیان میں مصنف سے سہو ہوا ہے۔ ناول نگار نے ناول میں کئی جگہ خلیل کا امریکا میں قیام ایک سال لکھا ہے۔ اس کی امریکا روانگی دہشت گردی اور بم دھماکوں کے زمانے میں ہوتی ہے، اور واپسی کرونائی دور میں۔ زمانی اعتبار سے یہ وقفہ تقریباً ایک ڈیڑھ دہائی پر محیط ہے، جو مذکور مختصر دورانیے سے کسی بھی طور مطابقت نہیں رکھتا۔

☆ تخلیقات میں غیر جانب داری برتنا تخلیق کاروں کے فرائض منصبی میں شامل ہوتا ہے۔ مذہب و مسلک اور تاریخ و سیاست کو موضوع بناتے وقت ناول نگار پر کبھی کبھار جانب داری کے چھینٹے پڑ ہی جاتے ہیں۔ غیر جانب دار رہنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ عبدالحمید شرر اور نسیم حجازی کے ناولوں میں حقائق کی انجام دہی میں جابجا جانب داری کے مظاہرے ملتے ہیں۔ ”انجام بخیر“ میں بھی محمود شام کی جانب داری کی کچھ جھلکیاں ملتی ہیں۔ انھوں نے اپنے اس ناول میں مختلف مافیاؤں، جماعتِ اسلامی، اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں کو خوب رگیدار ہے۔ لیکن دو سیاسی جماعتیں ”پیپلز پارٹی“ اور ”متحدہ“ کے لیے نرم گوشہ رکھا ہے۔ بل کہ اول الذکر جماعت کے رہنما کے متعدد کارنامے گنوائے گئے ہیں۔ (28) مصنف چاہتے تو ناول میں ملک ایاز (ملک ریاض) کے تفصیلی ذکر میں زمینوں کی بندر بانٹ کے تانے بانے پیپلز پارٹی سے جوڑ سکتے تھے۔ نیز سندھ کی تباہی کو بھی ان سے ننھی کیا جاسکتا تھا، لیکن ناول میں ایسا نہیں ہوا۔ جنرل ضیاء الحق، فوج اور حساس اداروں پر کھل کر اظہارِ خیال اسی جماعت کو خوش کرنے پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح دوسری سیاسی جماعت ”ایم کیو ایم“ جو کراچی اور اندرونِ سندھ میں دہشت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ بھٹا خوری، نوگو ایریاز، غنڈا گردی، دہشت گردی، بوری بند

اور بریف کیس لاشیں، ٹارچر سیل وغیرہ اسی جماعت سے منسوب ہے۔ محمود شام نے پُر تشدد واقعات کو ناول میں بیان کرنے کے باوجود اس جماعت سے کسی طرح بھی ناتانہیں جوڑ سکے۔ تاہم ان کا ایک دو جگہ ذکر خیر کرنے میں ان سے چوک نہیں ہوئی۔

☆ وطن عزیز میں یہ دیکھا گیا ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں طاقت و ماتحت عملہ افسران بالا کو عموماً خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ جب کہ نجی ملازمتوں میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ماتحتوں کا افسروں سے عدم تعاون نوکری سے برخاست کی صورت میں نکلتا ہے۔ نجی ملازمتوں میں ماتحت ہر موقع پر اپنے سے فوری اور بڑے افسر سے صلح مشورے کا عمل جاری رکھتا ہے۔ ٹی وی چینل میں مختلف شعبوں کے لیے کئی ڈائریکٹر تعینات کیے جاتے ہیں، مثلاً: ڈائریکٹر پریچر، ڈائریکٹر ایچ آر، ڈائریکٹر نیوز وغیرہ۔ خبروں کے ضمن میں ڈائریکٹر نیوز کا عہدہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ چینلوں میں خبروں کی کانٹ چھانٹ اور اجراء ڈائریکٹر نیوز ہی کے توسط سے ہوتی ہے۔ ”انجام بخیر“ میں محمود شام نے ”جگنو“ چینل سے وابستہ جو دور پور ٹرسدرہ اور خلیل پیش کیے ہیں۔ وہ پورے ناول میں ڈائریکٹر نیوز سے مشاورت کرتے نظر نہیں آئے۔ ناول میں اس عہدے کے کئی بار تذکرے ہونے کے باوجود دونوں مرکزی کردار سینئر صحافی احمد حماد سے بارہا ہر صحافیانہ معاملے میں تبادلہ خیال اور معلومات اخذ کرتے دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ احمد حماد کا براہ راست ”جگنو“ چینل سے تعلق بھی نہیں رہا ہے۔

اسی طرح ”انجام بخیر“ میں ان دونوں رپورٹروں سے متعلق ایک اور بات کھلتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ چینلوں میں رپورٹروں کو مختلف شعبے تفویض کیے جاتے ہیں، جیسے جرائم، تفریح، تعلیم، موسم، سیاست وغیرہ۔ رپورٹر اپنے اپنے شعبے میں کام کرنے کے پابند ہوتے ہیں، لیکن ناول میں ان دونوں مرکزی کرداروں سدرہ اور خلیل کی بابت یہ دیکھا گیا کہ ان کی مداخلت اور سرگرمیاں کئی شعبوں میں جاری و ساری رہتی ہیں۔ وہ بہ یک وقت چینل کے مختلف شعبوں کے لیے رپورٹیں اور پیکیج تیار کرتے نظر آتے ہیں۔

☆ ناول ”انجام بخیر“ میں احمد حماد، سدرہ کو پاکستان کی تاریخ پڑھاتے ہوئے جب 1971ء پر پہنچتے ہیں تو وہ بتاتے ہیں کہ دولخت سانحے کی بدولت پاکستان نے بھارت سے خائف ہو کر اپنی یونیورسٹیوں سے ہندی تدریس کو رفتہ رفتہ ختم کر دیا۔ (29) محمود شام کی یہ معلومات قطعاً درست نہیں ہیں۔ پاکستان کی متعدد جامعات میں ”کلیہ زبان و ادب و لسانیات“ قائم ہے، جس کے تحت ہندی پڑھائی جاتی ہے۔ یونیورسٹی اور نیشنل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور (اولڈ کیمپس)، شعبہ اردو، جامعہ کراچی وغیرہ میں طویل عرصے سے ہندی پڑھائی جا رہی ہے۔

☆ ناول ”انجام بخیر“ میں مرکزی کردار سدرہ پر جب قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، تو اس حملے میں ڈرائیور شدید زخمی ہو کر بے ہوش ہو جاتا ہے، جب کہ سدرہ محفوظ رہتی ہے۔ لیکن اس مرحلے پر ناول میں یہ دکھایا گیا ہے کہ سدرہ کے حواس مکمل طور پر بحال ہیں، وہ بالکل گھبرائی ہوئی نہیں ہے، اپنے والدین کو بھی وہ خود تسلی دیتی ہے۔ صنفِ نازک ہو کر ایسا غیر معمولی طرزِ عمل قاری کو چونکا نے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن یہی سدرہ جب احمد حماد کے ہمراہ قونصل خانے میں مختلف سفارت کاروں سے ملاقات کرتی ہے تو اس پر گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ناول میں دو مرتبہ ”نروس“ اور ”گھبراہٹ“ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ (30) ناول میں یہ تضاد بھی کھلتا ہے۔

صحافت در حقیقت دودھاری تلوار کی مانند ہے، جس پر چلنا انتہائی مشکل امر ہے۔ ایک جانب آپ کو سرکاری مداخلت کا سامنا ہوتا ہے، تو دوسری جانب پورے سماج سے نبرد آزما ہونا ہوتا ہے۔ یعنی جب آپ صحافت میں غیر جانب دار ہو کر کسی مذہب، مسلک، تنظیم، تحریک، جماعت، گروہ، مافیا، کالی یا خاکی وردی کے بارے میں حق گوئی سے کام لیتے ہوئے نقاب کشائی کرتے ہیں، تو دھونس، دھمکی، بلیک میلنگ اور رشوت ستانی جیسی آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ نام آوری کے ساتھ نام و نشان مٹنے کی فکر بھی دامن گیر رہتی ہے۔ محمود شام کا ناول ”انجام بخیر“ اس نوع کی کثیر تفصیلات سے مرصع ہے۔ ناول کی یہ خوبی ہے کہ صحافیانہ انداز میں لکھنے کے باوجود محمود شام نے اسے غیر ضروری تفصیلات سے خشک نہیں ہونے دیا۔ صحافیانہ تفصیلات کو فکشن کا پیرایہ عطا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ ناول میں شروع سے آخر تک دل چسپی اور تجسس برقرار رہے۔ کرداروں کے ذریعے گہری اور وسیع معلومات فراہم کرتے ہوئے اسے تاریخی بھی بنانے کی سعی کی گئی ہے۔ عالمی اور قومی سطح پر واقفیت اور اظہار و انکشاف محمود شام کی تجربہ علمی پر دال ہے۔

”انجام بخیر“ کی بدولت محمود شام نے میڈیا کی اندرون خانہ داستانوں پر پڑے ہوئے دبیز پردے اٹھا دیے ہیں۔ دیگر شعبوں کی طرح یہاں بھی ظلم، استحصال، نا انصافی، اختیارات، تعلقات، ترقی و تنزل کی دوڑ جاری ہے۔ معاشرے میں تحسین کی نگاہ سے دیکھا جانے والا یہ ادارہ سماجی برائیوں کے سبب ناول میں کہیں ہدفِ تنقید بنا ہے، تو بیش تر جگہوں پر ان کی خدمات بھی قابلِ ستائش رہی ہیں۔ اپنی جان کی پروا کیے بغیر سماج کو ہر ہونی آن ہونی سے یہی طبقہ سب سے پہلے مطلع کرتا ہے۔ یہ مصنف کا کمال ہے کہ انھوں نے کہی آن کہی داستانوں کو محض چند کرداروں کے ذریعے رقم کیا ہے۔ اکیس ویں صدی کی نئی ایجادات میں بدلتے اور کروٹ لیتے ہوئے سماج کے فکر و خیال کے کتنے ہی گوشے اس ناول میں منور ہوئے ہیں۔ ناول میں مقامیت سے بین الاقوامیت کے ماجرائی سفر میں حقیقت پسندانہ عکاسی کرتے وقت ناول نگار کی گرفت کسی بھی جگہ کمزور پڑتی دکھائی نہیں دی۔ ایک طرف میڈیا کے ذریعے کراچی میں جاری دہشت گردی اور مافیاؤں کے گورکھ دھندے کو فوکس کیا ہے، تو دوسری جانب بلوچستان، خیبر پختونخوا اور فاٹا کی سیاسی ابتری، حربی، سماجی اور اخلاقی صورتِ حال اور مسائل

و مصائب کو بھی اجاگر کر دیا گیا، جسے بیان کرنے سے عموماً ہمارا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا بھی گریز کرتا ہے۔ قبائلوں کے بارے میں کی گئیں بے بنیاد باتوں اور منفی پروپیگنڈوں کو بھی ”انجام بخیر“ کے ذریعے زائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی عالمی منظر نامے میں پاکستان سے روابط میں بعض ممالک کی تعلقات کی نوعیت کس طرح کی ہے، اُس کی بھی عکس ریزی کی گئی ہے۔ یہ سب میڈیا کے تناظر ہی میں حیطہ تحریر میں آئے ہیں۔ میڈیا کو کتنی آزادی میسر ہے اور اس کے متوازی کتنی سرگرمیاں اپنی آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہیں۔ یہ سب ہمیں ”انجام بخیر“ میں بکھری ملیں گی۔ صحافیانہ تناظر میں جہاں محمود شام کی یہ کاوش سراہے جانے کے قابل ہے۔ وہیں ہمیں ایک پیغام بھی ملتا ہے کہ اس نوع کے کتنے ہی شعبوں اور ”عالمی گاؤں“ (گلوبل ولیج) کی ہمارے قدموں میں بکھری سیکڑوں دنیاؤں کو ابھی ناول کے وسیع و عریض دامن میں سمونے کے امکانات موجود ہیں، جن کی جانب مستقبل کے ناول نگار توجہ مرکوز کر کے اردو ناول کو مزید اعتبار بخش سکتے ہیں۔

حواشی:

1. محمود شام، شب بخیر، ویلکم بک پورٹ، کراچی، 1997ء
2. سعادت حسن منٹو، ”انجام بخیر“، رتی تولہ ماشہ، ظفر برادرز، لاہور، 18 جنوری 1956ء
3. پطرس بخاری، ”انجام بخیر“، کلیات پطرس، مرتب: نواز چودھری، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، سنہ ندارد
4. حسن جاوید، شہر بے مہر، بدلتی دنیا پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2018ء
5. راقم الحروف کے ایک سوال کے جواب میں یہ بات محمود شام نے 1 ستمبر 2023ء کو واٹس اپ پر بتائی۔
6. منور اکاش، (ترتیب و ترجمہ) فکشن کی تعمیر، فکشن ہاؤس، لاہور، مارچ 2017ء
7. ارنسٹ ہیمنگ وے، بوڑھا اور سمندر، ترجمہ: ابن سلیم، فکشن ہاؤس، لاہور، 2013ء
8. ہرمن میلویل، موبی ڈک، ترجمہ: محمد حسن عسکری، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور / کراچی، سن
9. ڈاکٹر شیر شاہ سید، غبار، شہر زاد، کراچی، اشاعت دوم: ستمبر 2012ء
10. محمود شام، انجام بخیر، اٹلانٹس پبلی کیشنز، کراچی، جون 2023ء، ص: 6، 7
11. <http://ur.wikipedia.org/wiki/11> - کراچی
12. ناؤں مل ہوت چند ”یادداشتیں“ سندھی سے ترجمہ: رفیق احمد نقشب، ترتیب: اجمل کمال، مشمولہ: آج، کراچی کی کہانی (1)، شمارہ 20، خزاں 1995ء، ص 25
13. پطرس بخاری، پطرس کے مضامین، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2001ء، ص 38

14. ”انجام بخیر“، ص 10۲
15. ”انجام بخیر“، ص 11۰
16. پریم چند، گودان، مکتبہ جامعہ، دہلی، بار دوم: 2۰۰۰ء
17. مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2۰۰4ء
18. شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سر آسمان، پیگلون بکس، نئی دہلی، 2۰۰6ء
19. اختر ضا سلیمی، جندر، ر میل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راول پنڈی، 201۷ء
20. <https://ur.wikipedia.org/wiki/20جیو-ٹی-وی>
21. ”انجام بخیر“، ص 349، 350
22. ڈاکٹر سلام سندیلوی، ”ادب کا تنقیدی مطالعہ“، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، اوّل: 198۶ء
23. ”انجام بخیر“، ص 12۰
24. بارہ شعری مجموعوں میں: کارڈیو اسپازم، آخری رقص، چہرہ چہرہ میری کہانی، نوشتہ دیوار، قربانیوں کا موسم، مچلوں میں سرحدیں، شہر سے جنگ، ایساں ایساں یو یو، جہاں تاریخ روتی ہے، منزلیں، بیٹیاں پھول ہیں، غبار میں گم شامل ہیں۔
25. مرزا اسد اللہ خاں غالب، دیوان غالب کامل، مرتبہ: کالی داس گپتا رضا، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، اشاعت دوم: 1۹۹4ء، ص ۳۱۳
26. ”انجام بخیر“، ص 28۷
27. ایضاً، ص 1۴۴
28. ایضاً، ص 21۰-۲۱۲
29. ایضاً، ص 38۶
30. ایضاً، ص 14۳، 14۵

ماخذ:

1. آکاش، منور، (ترتیب و ترجمہ) فکشن کی تعمیر، فکشن ہاؤس، لاہور، مارچ 201۷ء
2. بخاری، پطرس، ”انجام بخیر“، کلیات پطرس، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، سنہ ندارد، مرتب: نواز چودھری
3. بخاری، پطرس، پطرس کے مضامین، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2۰۰1ء
4. تارڑ، مستنصر حسین، بہاؤ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2۰۰4ء

5. جاوید، حسن، شہر بے مہر، بدلتی دنیا پبلی کیشنز، اسلام آباد، 201۸ء
6. چند، پریم، گودان، مکتبہ جامعہ، دہلی، بار دوم: 2۰۰۰ء
7. سلیمی، اختر رضا، جنرر، ر میل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راول پنڈی، 2017ء
8. سندیلوی، ڈاکٹر سلام، ”ادب کا تنقیدی مطالعہ“، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، اول: 198۶ء
9. سید، ڈاکٹر شیر شاہ، غبار، شہر زاد، کراچی، اشاعت دوم: ستمبر 201۲ء
10. شام، محمود، انجام بخیر، اٹلانٹس پبلی کیشنز، کراچی، جون 202۳ء
11. شام، محمود، شب بخیر، ویلکم بک پورٹ، کراچی، 199۷ء
12. غالب، مرزا اسد اللہ خاں، دیوان غالب کامل، مرتبہ: کالی داس گپتا رضا، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، اشاعت دوم: 199۴ء
13. فاروقی، شمس الرحمن، کئی چاند تھے سر آسمان، پیپلوئن بکس، نئی دہلی، 200۶ء
14. منٹو، سعادت حسن، ”انجام بخیر“، رتی تولہ ماشہ، ظفر برادرز، لاہور، 1۸ جنوری 195۶ء
15. میلول، ہرمن، موبی ڈک، ترجمہ: محمد حسن عسکری، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور / کراچی، سن
16. ہوت چند، ناؤں مل ”یادداشتیں“ سندھی سے ترجمہ: رفیق احمد نقشب، مشمولہ: آج، کراچی کی کہانی (۱)، شمارہ 2۰، خزاں 199۵ء، ترتیب: اجمل کمال
17. ہیمنگ وے، ارنسٹ، بوڑھا اور سمندر، ترجمہ: ابن سلیم، فکشن ہاؤس، لاہور، 201۳ء
18. <http://ur.wikipedia.org/wiki/> کراچی
19. <https://ur.wikipedia.org/wiki/> جیو-ٹی-وی